حکمتِ سیّد مودودیؒ

قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کی نعمت ہر زمانے میں انسان کو دو ہی ذرائع سے پہنچی ہے۔ ایک اللہ کا کلام۔ دوسرے انبیا علیہم السلام کی شخصیتیں جن کو اللہ نے نہ صرف اپنے کلام کی تبلیغ و تعلیم اور تفہیم کا واسطہ بنایا، بلکہ اس کے ساتھ عملی قیادت و رہنمائی کے منصب پر بھی مامور کیا تاکہ وہ کلام اللہ کا ٹھیک ٹھیک منشا پورا کرنے کے لیے انسانی افراد اور معاشرے کا تزکیہ کریں اور انسانی زندگی کے بگڑے ہوئے نظام کو سنوار کر اس کی تعمیر صالح کر دکھائیں۔

یہ دونوں چیزیں ہمیشہ سے ایسی لازم و ملزوم رہی ہیں کہ ان میں سے کسی کو کسی سے الگ کر کے نہ انسان کو کبھی دین کا صحیح فہم نصیب ہو سکا، اور نہ وہ ہدایت سے بہرہ یاب ہو سکا، کتاب کو نبی سے الگ کر دیجیے تو وہ ایک کشتی ہے۔ ناخدا کے بغیر، جسے لے کر اناڑی مسافر زندگی کے سمندر میں خواہ کتنے ہی بھٹکتے پھریں، منزلِ مقصود پر کبھی نہیں پہنچ سکتے، اور نبی کو کتاب سے الگ کر دیجیے، تو خدا کا راستہ پانے کے بجائے آدمی ناخدا ہی کو خدا بنا بیٹھنے سے کبھی نہیں بچ سکتا۔ یہ دونوں ہی نتیجے پچھلی قومیں دیکھ چکی ہیں۔ ہندوؤں نے اپنے انبیاء کی سیرتوں کو گم کیا۔ اور صرف کتابیں لے کر بیٹھ گئے۔ انجام یہ ہوا کہ کتابیں ان کے لیے لفظی گورکھ دھندوں سے بڑھ کر کچھ نہ رہیں۔ حتیٰ کہ آخر کار خود انہیں بھی وہ گم کر بیٹھے۔ عیسائیوں نے کتاب کو نظر انداز کر کے نبی کا دامن پکڑا۔ اور اس کی شخصیت کے گرد گھومنا شروع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی چیز انہیں نبی اللہ کو ابن اللہ بلکہ عین اللہ بنانے سے باز نہ رکھ سکی۔

پرانے ادوار کی طرح اب اس نئے دور میں بھی انسان کو نعمتِ اسلام میسر آنے کے وہی دو ذرائع ہیں جو ازل سے چلے آرہے ہیں، ایک خدا کا کلام جو اب صرف قرآنِ پاک کی صورت ہی میں مل سکتا ہے دوسرے اسوۂ نبوت جو اب صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک ہی میں محفوظ ہے ہمیشہ کی طرح آج بھی اسلام کا صحیح فہم انسان کو اگر حاصل ہو سکتا ہے تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور محمد صلی اللہ کو قرآن سے سمجھے ان دونوں کو ایک دوسرے کی مدد سے جس نے سمجھ لیا۔ اس نے اسلام کو سمجھا۔ ورنہ فہم دین سے بھی محروم رہا اور نتیجتاً ہدایت سے بھی۔

پھر، قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں چونکہ ایک مشن رکھتے ہیں ایک مقصد و مدعا کو لیے ہوئے آئے ہیں، اس لیے ان کو سمجھنے کا انحصار اس پر ہے کہ ہم ان کے مشن اور مقصد و مدعا کو کس حد تک سمجھتے ہیں اس چیز کو نظر انداز کر کے دیکھیے تو قرآن عبارتوں کا ایک ذخیرہ اور سیرتِ پاک واقعات و حوادث کا ایک مجموعہ ہے، آپ لغت اور روایات اور علمی تحقیق و کاوش کی مدد سے تفسیروں کے انبار لگا سکتے ہیں اور تاریخی تحقیق کا کمال دکھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے عہد کے متعلق صحیح ترین اور وسیع ترین معلومات کے ڈھیر لگا سکتے ہیں، مگر روحِ دین تک نہیں پہنچ سکتے، کیونکہ وہ عبارات اور واقعات سے نہیں بلکہ اس مقصد سے وابستہ ہے جس کے لیے قرآن اتارا گیا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی علمبرداری کے لیے کھڑا کیا گیا۔ اصل مقصد کا تصور جتنا صحیح ہوگا، اتنا ہی قرآن اور سیرت کا فہم صحیح، اور جتنا وہ ناقص ہوگا، اتنا ہی ان دونوں کا فہم ناقص رہے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن اور سیرتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دونوں ہی بحرِ ناپیدا کنار ہیں۔ کوئی انسان یہ چاہے کہ ان کے تمام معانی اور فوائد و برکات کا احاطہ کرے تو اس میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ البتہ جس چیز کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ وہ بس یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو آدمی ان کا زیادہ سے زیادہ صحیح فہم حاصل کرے اور ان کی مدد سے روحِ دین تک رسائی پائے۔ (دیباچہ محسنِ انسانیت)

(محمد یوسف صاحب ناظم لائبریری)

تقدیسِ علم کی ضرورت

پروفیسر محمد سلیم صاحب

اللہ کی طرف سے نازل شدہ آخری ہدایت اسلام ہے۔ انسانی زندگی کی فلاح وبہبود کی واحد ضمانت اسلام ہے۔ اسلام کے باہر زندگی بسر کرنے کے تمام طریقے گمراہی ہیں اور جاہلیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "پھر حق (اسلام) کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ آخر تم کدھر پھرائے جا رہے ہو" (یونس۔ ۳۲) جہاں خدا پرستی نہیں ہوتی وہاں ضرور غیر اللہ پرستی ہوگی۔ غیر اللہ پرستی خواہ کسی شکل میں ظاہر ہو دراصل وہ انسان پرستی ہوتی ہے۔ انسان پرستی کو خواہ کتنے ہی خوبصورت الفاظ میں پیش کیا جائے وہ درحقیقت خود پرستی اور خود غرضی کا ہی پرتو ہوتا ہے۔ خود پرستی اور خود غرضی گمراہی کے سوا اور کیا ہے! قرآن مجید کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کی زندگی عالمِ انسانیت کے لئے تباہی کا پیش خیمہ ہے اور اسلامی زندگی عالمِ انسانیت کے لئے فوز و فلاح کا ذریعہ ہے۔

انسان پرستی میں زندگی گزارنے کے لئے انفرادی عقل کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔ انسان خود مکتفی ہونے کا دعوے دار بن جاتا ہے۔ انسان انا ولاغیری کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ دنیا میں ساری خرابیوں، ساری زیادتیوں اور سارے مظالم کی حقیقت رسی کی جائے تو ان مفاسد کی جڑ انسان کی گمراہ ذہنیت میں پنہاں ہے۔ انسان اپنے دائرہ کار سے اور اپنی حقیقت سے تجاوز کر جاتا ہے۔ بندہ بن کر مقامِ بندگی پر قناعت نہیں کرتا بلکہ خدا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ الوہیت کی قبا زیبِ تن کر لیتا ہے۔ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کا خدا بن کر ان پہ

حکومت کرتا ہے۔ دوسرے انسانوں کو اپنا محکوم بنا لیتا ہے۔ غلامی بہر حال انسانیت کی تذلیل ہے خواہ قدیم زمانہ کی محسوس غلامی ہو یا جدید دور کی غیر محسوس غلامی، وہ خود کو دوسرے انسانوں کا مالک، حاکم، قانون ساز اور حکمران بن جاتا ہے۔ دوسرے تمام انسان اس کے سامنے جواب دہ ہیں مگر وہ خود کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا۔ دوسرے تمام انسانوں پر وہ اپنا قانون اور سزا نافذ کرتا ہے مگر اس پر کوئی قانون اور سزا نافذ نہیں کرتا الوہیت کا جامہ زیب تن کرنے والا کبھی ایک فرد ہوتا ہے اور کبھی ایک گروہ۔

اپنے جیسے انسانوں کی حاکمیت کو انسان بالطبع ناپسند کرتا ہے۔ اس لئے جس میدان میں اور جس درجہ میں جب کوئی فرد محسوس کرتا ہے کہ میں طاقتور ہوں وہ ماتحتی قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ بغاوت کے شستہ اور غیر شائستہ بہت سے طریقے ہیں۔ قتل اور ڈاکہ بھی درحقیقت بغاوت ہے اور انسانی قانون کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ بتدریج معاشرہ میں ہر قسم کے مظالم پیدا ہو جاتے ہیں، شر و فساد، ظلم و عدوان اور بدبینی و بدعملی سارے عالم کو گھیر لیتی ہے۔

ان حالات میں سب سے مشکل مرحلہ اصلاحِ حال اور خیر خواہی کے نقطہ نظر سے یہ ہوتا ہے کہ کہاں سے آغاز کیا جائے۔ کس خرابی کو چھیڑا جائے اور کس کو چھوڑ دیا جائے جسی نگاہ رکھنے والا انسان عام طور پر چند ایک ظاہری برائیوں پر توجہ مرکوز کر دیتا ہے گہرائیوں میں اس کی نظر جاتی ہی نہیں۔ برائیوں کی جڑ بدستور باقی رہ جاتی ہے۔ ظاہری طور پر تھوڑی بہت اصلاح ہو جاتی ہے مگر اصل برائیاں بڑھتی اور پھیلتی رہتی ہیں، البتہ اللہ کے فرستادہ نبیوں کی نگاہ حقیقت بیں ہوتی ہے۔ وہ برائی کی اصل جگہ اور جڑ پر تیشہ زنی کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی اصلاح کامیاب اور دیرپا ہوتی ہے۔

انبیاءِ اکرام کے طریقہ کار پر گفتگو کرنے سے قبل ایک حقیقت کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ تحلیل نفسی کے جدید مغربی ماہرین فرائڈ، میک ڈیگرٹ اور برگسان وغیرہ خواہ کچھ بھی دعویٰ کرتے رہیں یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ انسانی زندگی میں اوّل درجہ علم کا ہے، اس کے بعد عمل کا نمبر آتا ہے۔ جبلتوں کا دائرہ انسانی زندگی میں نہایت محدود ہے اور وہ بھی انسان کے ارادہ کی

زد سے ماوری نہیں ہے ۔ اس لئے انبیاء اکرام اصلاحِ کار کا آغاز علم کی تطہیر اور تقدیس سے کرتے ہیں ۔ افکار کی اصلاح کے بعد اعمال کی اصلاح کا راستہ آسان ہو جاتا ہے ۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر وحی الٰہی کے طریقِ ہدایت میں اولین اہمیت علم کو حاصل ہے' مگر نہ محض علم کا حصول کافی ہے اور نہ ہر قسم کے علوم کا درجہ برابر ہے ۔ رسول اللہ پر سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی وہ یہ ہے "پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے (علق ۱) ۔ اس پہلی وحی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور رسول کے توسط سے امت مسلمہ کو اور عالمِ انسانیت کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا ہے ۔ اس اولین حکم میں یہ بات عیاں ہو گئی کہ انسان زندگی میں اولین اہمیت علم کو حاصل ہے ، معاشرہ میں اصلاحِ کار کا آغاز حصولِ علم سے ہونا چاہیے ۔ علم کے بغیر کوئی شخص راہِ ہدایت نہیں پا سکتا ، مگر مجرد علم کا حصول کافی نہیں ہے ۔ یہاں وحیٔ الٰہی نے ایک نہایت اہم شرط کا اضافہ کیا ہے ۔ جس سے علم کی تقدیس اور رفعت کا طریقہ کار معلوم ہو جاتا ہے ۔ اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ ایک علم وہ ہے جو اللہ کے نام کے ساتھ حاصل کیا جاتا ہے اور دوسرا علم وہ ہے جو اللہ کے نام کے بغیر حاصل کیا جاتا ہے جو نفس کے نام پر حاصل کیا جاتا ہے ۔ جو قوم پرستی اور وطن پرستی کے نام پر حاصل کیا جاتا ہے ۔ جو اپنے جیسے انسانوں پر غلبہ اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے حاصل کیا جاتا ہے ۔ بہرحال جو علم غیر اللہ کے نام پر حاصل کیا جاتا ہے وہ انسان کے دردوں کا مداوا نہیں ہو سکتا ۔ اس علم میں انسان کتنی ہی ترقی کر جائے وہ بدستور گمراہی پہ گامزنی کرتا رہے گا ؎

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

اس کے برخلاف ایک علم وہ ہے جو اللہ کی عظمت اور کبریائی کے لیے حاصل کیا جاتا ہے ۔ اس سے انسان مادیت کی پستی سے نکل کر روحانی رفعت حاصل کر لیتا ہے ۔ اس علم سے خود غرضی اور ہوس پرستی سے نگاہیں بلند ہو کر مثالِ اعلیٰ پہ مرکوز ہو جاتی ہیں ۔ اس علم سے اخلاق و کردار میں رفعت اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے ۔ اس علم سے انسان میں نگاہ بلند'

سخنِ دلنواز، جانِ پُرسوز، پیدا ہو جاتی ہے۔

اِس طرح وحی الٰہی نے علم کا قبلہ درست کر دیا۔ یہ علم و آگہی کی تاریخ میں عظیم الشان اصلاح ہے۔ یہ بنیادی اصلاح ہے۔ وحیٔ الٰہی نے انسانی خرابیوں کی صحیح تشخیص کی ہے۔ افسوس مسلمانوں نے اس تشخیص کی صحیح قدر و قیمت نہیں جانی۔ صحیح علم بس وہی ہے جس کا قبلہ عظمت الٰہ ہو اور تقدیس الٰہ ہو جس کے پڑھنے سے انسان کے اندر حسنِ اخلاق، حسنِ کردار خلوص اور للّٰہیت پیدا ہوتی ہے۔ ایسے بلند اخلاق اور بلند کردار لوگ انسانی معاشرہ کا گُل ہوتے ہیں۔ اسلام ایسے ہی مہذّب، شائستہ اور با اخلاق افراد پر مشتمل ایک فلاحی اور خیر خواہ معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ ایسے لوگ اسلامی اخلاق اور اسلامی حیات کے بہترین نمونہ ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ تمام علوم و فنون جن میں عظمتِ خداوندی اور تقدیس اللہ کی رُوح سرایت کیے ہوئے ہو وہ سب عالم انسانیت کے حق میں نعمت ہیں اور رحمت ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسری وحی جو نازل ہوئی وہ یہ ہے۔ "اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اٹھو اور خبردار کرو۔ اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ (مدثر-۱)
اس دوسری وحی نے رسول اللہ کو حکم دیا کہ وہ عام انسانوں کو ان کے اعمال کے نتائج بد سے ڈرائیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا بیانگِ دہل اعلان کریں۔ خدائی کے دعویدار دوسرے معبودوں کے ساتھ کسی قسم کی مداہنت اور رعایت نہ برتیں۔ اس حکم کے ملنے کے بعد اللہ کے رسولؐ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت، تقدس و احترام کا نعرہ اس زور شور سے لگایا کہ اس کے بعد پھر کسی بدخود غلط انسان کے لیے غیر اللہ پرستی کی گنجائش کم ہی رہی۔ پھر خدا بننے اور طاغوت بننے کا موقع نہ رہا۔ سب کی خدائی خاک میں مل گئی۔ سارے طاغوت سرنگوں کر دیے گئے۔ اس حقیقتِ کبریٰ کا اعتراف ہماری دینی روایات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے بعد بت اوندھے منہ گر پڑے۔ آتش کدوں کی آگ سرد پڑ گئی۔ ایوانِ کسریٰ کے کنگرے ٹوٹ کر گر پڑے —— طاغوت پرستی کے خلاف اس اعلانِ حق کے اثرات ختم نہیں ہوئے۔ وہ بعد میں بھی جاری

رہے۔ جب شنکر اچاریہ نے جنوبی ہندوستان میں "مورتی کھنڈت" کی مہم چلائی تو درا صل یہ نبی عربی کے آوازہ حق کی صدائے بازگشت تھی۔ جب مارٹن لوتھر نے پوپ کے خلاف ۹۵ نکات پر مشتمل فرد جرم عاید کی تھی تو یہ تعلیمات محمدی کا ہی فیضان تھا۔ قرآن مجید کا لاطینی ترجمہ پڑھ کر اس نے یہ مہم جاری کی تھی۔

عظمت خداوندی اور تقدیس خداوندی اسلام کے ہر رکن سے ظاہر ہے۔ نماز کا آغاز اذان سے ہوتا ہے۔ اذان میں چار مرتبہ اللہ اکبر کا معنی خیز نعرہ ہر مسجد سے بلند کیا جاتا ہے۔ دن رات میں پانچ مرتبہ اذان دی جاتی ہے۔ اس طرح بار بار یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ عظمت و کبریائی کی مستحق صرف اللہ وحدہٗ کی ذاتِ بابرکات ہے۔ انسان ذات کو بھولے سے بھی حریم الوہیت ـــــ علو و جلال و کبریائی ـــــ میں قدم نہیں رکھنا چاہیے ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

یہ نعرہ یاد دلاتا ہے کہ اے انسان نادان! طاغوت نہ بن، بندہ بن کر رہ!

اللہ اکبر کے مختصر سے جملے کی تفصیل کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے، جس میں طاغوت کے انکار، اللہ پر ایمان اور راہِ ہدایت کے لیے سنّتِ محمدی کی اطاعت کی دعوت دی گئی ہے۔ جب تک غیر اللہ کا انکار نہ کیا جائے، اس وقت تک دل کی سرزمین میں ایمان کا بیج نہیں پھوٹ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اب جو کوئی طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لائے، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں"۔ (البقرہ - ۲۵۶)

آفاق میں اک نعرۂ تکبیر لگا دو
طاغوت کے ایوانوں کی بنیاد ہلا دو